احمدیت دنیا میں اسلامی تعلیم و تمدن کا صحیح نمونہ پیش کرنے کیلئے قائم کی گئی ہے

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

احمدیت دنیا میں اسلامی تعلیم وتمدن کا صحیح نمونہ پیش کرنے کیلئے قائم کی گئی ہے

(تقریر فرمودہ ۶ ؍فروری ۱۹۴۱ء برموقع سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ قادیان)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میرا دل تو آج چاہتا تھا کہ میں بہت سی باتیں اِس اجتماع میں کہوں لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت پرسوں سے میری آواز بیٹھتی چلی جارہی ہے اور آج تو ایسی بیٹھی ہوئی ہے اور گلا ایسا ماؤف ہے کہ اگر میں زیادہ دیر تک تقریر کروں تو ممکن ہے گلے کو کوئی مستقل نقصان پہنچ جائے اور مجھے اِس بات کا ذاتی تجربہ بھی ہے میری آواز پہلے بہت بلند ہؤا کرتی تھی ایسی بلند کہ بعض دوستوں نے بتایا کہ چھوٹی مسجد میں ہم نے آپ کی قراءت سن کر اور سمجھ کر مدرسہ احمدیہ میں نماز پڑھی ہے۔ یہ حضرت خلیفہ اول کے زمانہ کی بات ہے۔ مگر ایک دفعہ میرا اسی طرح گلا بیٹھا ہؤا تھا کہ میں اپنے ایک عزیز کے ہاں گیا۔ اُس نے کہا کہ آپ قرآن بہت اچھا پڑھتے ہیں میں گراموفون میں ریکارڈ بھروانا چاہتا ہوں آپ کسی سورۃ کی تلاوت کر دیں۔ میں نے معذرت کی کہ مجھے نزلہ وزکام ہے اور گلا بیٹھا ہؤا ہے مگر انہوں نے اصرار کیا اور کہا کہ میں تو آج اِس غرض کے لئے تیار ہو کر بیٹھا ہوں۔ چنانچہ میں نے سورۂ فاتحہ یا کوئی اور سورۃ (مجھے اِس وقت صحیح طور پر یاد نہیں رہا) ریکارڈ میں بھروا دی۔ اس کے بعد میری آواز جو بیٹھی ہوئی تھی وہ تو درست ہو گئی مگر آواز کی بلندی میں قریباً ۲۵ فیصد کی ہمیشہ کے لئے کمی آ گئی۔ تو ایسی حالت میں زیادہ بولنا بہت دفعہ مُضِرّ ہوتا ہے۔ کھانسی کی حالت میں تو میں کافی تقریر کر لیا کرتا اور اس کی میں چنداں پرواہ

نہیں کیا کرتا مگر گلے کی خراش اس سے مختلف چیز ہے۔

خدام الاحمدیہ کا یہ اجلاس اس لحاظ سے پہلا اجلاس ہے کہ اس میں باہر سے بھی دوست تشریف لائے ہیں گو میں نہیں کہہ سکتا کہ میں ان کے آنے کی وجہ سے پورے طور پر خوش ہوں کیونکہ جہاں تک مجھے علم ہے بہت کم دوست باہر سے آئے ہیں اور خدام الاحمدیہ کی تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی آنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ شاید کُل تعداد کا چھٹا یا ساتواں یا آٹھواں یا نواں بلکہ دسواں حصہ آیا ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اِس مجلس میں بیٹھنے والے اکثر دوست گورداسپور کے ضلع کے ہیں اور ان میں سے بھی اکثر زمیندار ہیں جن کے لئے پیدل سفر کرنا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ ان کا اس جگہ آنا زمینداروں کی تعلیم کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ان کی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے بے شک ایک قابلِ قدر قربانی ہے مگر ان کے آنے کی وجہ سے اس مجلس کے افراد کی تعداد کا بڑھ جانا دوسرے شہروں کے خدام الاحمدیہ کے لئے کوئی خوشکن امر نہیں ہوسکتا۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اور اُن رپورٹوں سے جو میرے پاس پہنچتی رہی ہیں اندازہ لگا سکا ہوں گورداسپور کو چھوڑ کر بیرونجات سے دو اڑھائی سَو آدمی آیا ہے اور یہ تعداد خدام الاحمدیہ کی تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت کم ہے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابھی قریب میں ہی جلسہ سالانہ گزرا ہے لیکن نوجوانوں کی ہمت اور ان کا ولولہ اور جوش ان باتوں کو نہیں دیکھا کرتا۔ یہ جلسہ تو ایک مہینہ کے بعد ہؤا ہے۔ میں جانتا ہوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں کئی نوجوان ایسے تھے جو لاہور سے ہر اتوار کو باقاعدہ قادیان پہنچ جایا کرتے تھے۔ مثلاً چوہدری فتح محمد صاحب اُن دنوں کالج میں پڑھتے تھے مگر ان کا آنا جانا اتنا باقاعدہ تھا کہ ایک اتوار کو وہ کسی وجہ سے نہ آسکے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے پوچھا۔ محمود! فتح محمد اِس دفعہ نہیں آیا؟ گویا ان کا آنا جانا اتنا باقاعدہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے ایک اتوار کے دن نہ آنے پر تعجب ہؤا اور مجھ سے دریافت فرمایا کہ وہ کیوں نہیں آئے؟ وہ بھی کالج کے طالب علم تھے، کالج میں پڑھتے تھے اور ان کے لئے بھی کئی قسم کے کام تھے پھر وہ فیل بھی نہیں ہوتے تھے کہ کوئی شخص کہہ دے کہ وہ پڑھتے نہیں ہوں گے۔ پھر وہ کوئی ایسے مالدار بھی نہیں تھے کہ ان کے متعلق یہ خیال کیا جا سکے کہ انہیں اُڑانے کے لئے کافی روپیہ ملتا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں لاہور کے کالجوں کے جو سٹوڈنٹس یہاں آئے ہوئے ہیں یا نہیں آئے ان میں سے نوے فیصدی وہ ہوتے ہیں جن کو اس سے زیادہ گزارہ ملتا ہے جتنا چوہدری فتح محمد صاحب کو ملا کرتا تھا مگر وہ باقاعدہ

ہر اتوار کو قادیان آیا کرتے تھے۔ اسی طرح اور بھی کئی طالب علم تھے جو قادیان آیا کرتے تھے گو اتنی باقاعدگی سے نہیں آتے تھے مگر بہرحال کثرت سے آتے تھے۔ اُس وقت لاہور میں احمدی طالب علم دس بارہ تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ ایک دو کو مستثنیٰ کرتے ہوئے باقی دس میں سے دو تین تو ایسے تھے کہ وہ ہفتہ وار یا قریباً ہفتہ وار قادیان آیا کرتے تھے اور نصف تعداد ایسے طالب علموں کی تھی جو مہینے میں ایک دفعہ یا دو دفعہ قادیان آتے تھے اور باقی سال میں چار پانچ دفعہ قادیان آجاتے تھے اور بعض دفعہ کوئی ایسا بھی نکل آتا جو صرف جلسہ سالانہ پر آجاتا تھا۔ مگر اب صرف بیس پچیس فیصدی طالب علم ایسے ہوتے ہیں جو قادیان میں سال بھر میں ایک دفعہ آتے ہیں۔ یا ایک دفعہ بھی نہیں آتے۔ آخر یہ فرق اور امتیاز کیوں ہے؟ میں نے کہا ہے اگر ہماری مالی حالت ان لڑکوں سے کمزور ہوتی جو اُس وقت کالج میں پڑھتے تھے تو میں سمجھتا کہ یہ مالی حالت کا نتیجہ ہے۔ اور اگر یہ بات ہوتی کہ اب تمہیں دین کے سیکھنے کی ضرورت نہیں رہی تمہارے لئے اس قدر اعلیٰ درجہ کے روحانی سامان لاہور اور امرتسر اور دوسرے شہروں میں موجود ہیں کہ تمہیں قادیان آنے کی ضرورت نہیں تو پھر بھی میں سمجھتا کہ یہ بات کسی حد تک معقول ہے لیکن اگر نہ تو یہ بات ہے کہ تمہاری مالی حالت ان سے خراب ہے اور نہ یہ بات درست ہے کہ باہر ایسے سامان موجود ہیں جن کی موجودگی میں تمہیں قادیان آنے کی ضرورت نہیں اور پھر اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ اب قادیان کا سفر بالکل آسان ہے یہ بات میری سمجھ سے بالکل بالا ہے کہ کیوں ہماری جماعت کے نوجوانوں میں اِس قسم کی غفلت پائی جاتی ہے۔ پہلے شام کی گاڑی سے ہمارے طالب علم بٹالہ میں اُترتے اور گاڑی سے اُتر کر راتوں رات پیدل چل کر قادیان پہنچ جاتے یا آٹھ نو بجے صبح اُترتے تو بارہ ایک بجے دوپہر کو قادیان پہنچ جاتے تھے۔ طالب علم ہونے کی وجہ سے بِالعموم ان کے پاس اتنے کرائے نہیں ہوتے تھے کہ یکّہ یا تانگہ لے سکیں۔ ایسے بھی ہوتے تھے جو یکّوں میں آجایا کرتے تھے۔ مگر ایسے طالب علم بھی تھے جو پیدل آتے اور پیدل جاتے تھے مگر اب ریل کی وجہ سے بہت کچھ سہولت ہوگئی ہے۔ ریل وقت بچالیتی ہے، ریل کوفت سے بچالیتی ہے، اور ریل کا جو کرایہ آجکل بٹالہ سے قادیان کا ہے وہ اس کے کرایہ کے نصف کے قریب ہے جو اُن دنوں یکہ والے وصول کیا کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں ڈیڑھ دو روپیہ میں یکہ آیا کرتا تھا اور ایک یکہ میں تین سواریاں ہوا کرتی تھیں گویا کم سے کم آٹھ آنے ایک آدمی کا صرف ایک طرف کا کرایہ ہوتا تھا مگر آجکل چھ سات آنے میں بٹالہ کا آنا جانا ہو جاتا ہے تو جو دقتیں مالی لحاظ سے پیش آسکتی تھیں یا وقت کے لحاظ سے پیش آسکتی

تھیں وہ کم ہوگئی ہیں اور جو ضرورتیں قادیان آنے کے متعلق تھیں وہ ویسی ہی قائم ہیں۔
پس میں ان خدام کے توجہ نہ کرنے کی وجہ سے جو اس اجتماع میں نہیں آئے افسوس اور تعجب کا اظہار کرنا چاہتا ہوں اور انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ خدام الاحمدیہ کی غرض ان میں یہ احساس پیدا کرنا ہے کہ وہ احمدیت کے خادم ہیں اور خادم وہی ہوتا ہے جو آقا کے قریب رہے۔ جو خادم اپنے آقا کے قریب نہیں رہتا وقت کے لحاظ سے یا کام کے لحاظ سے وہ خادم نہیں کہلا سکتا مگر جیسا کہ میں نے بتایا ہے باہر سے آنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ اور اگر گورداسپور کے دیہات کے افراد نہ آجاتے اور قادیان کے لوگ بھی اس جلسہ میں شامل نہ ہو جاتے تو یہ جلسہ اپنی ذات میں ایک نہایت ہی چھوٹا سا جلسہ ہوتا اور ایسا ہی ہوتا جیسے مدرسہ احمدیہ یا ہائی سکول میں طالب علموں کے جلسے ہوتے ہیں بلکہ ان سے بھی چھوٹا۔ میں جماعت کے نوجوانوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ سلسلہ احمدیہ کے سپرد ایسے کام کئے گئے ہیں جو دنیا میں عظیم الشّان روحانی انقلاب پیدا کرنے والے ہیں۔ موجودہ دنیا کی کایا پلٹنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا ہے۔ دنیا کی تہذیب اور دنیا کے تمدن کی وہ عمارت جو تمہیں اِس وقت دکھائی دے رہی ہے اِس کی صفائی کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں بھیجے گئے، اس کی لپائی کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں بھیجے گئے، اس کے پوچنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں بھیجے گئے، اس پر رنگ اور روغن کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں بھیجے گئے، اس کا پلستر بدلنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں بھیجے گئے، اس کی چھت پر مٹی ڈالنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں بھیجے گئے، اس کی کانسوں[1] کو درست کرنے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں بھیجے گئے، اس کے ٹُوٹے ہوئے فرش کو بدلنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں بھیجے گئے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے کہ اپنی زندگیوں میں اسلامی تعلیم کا کامل نمونہ پیش کر کے توڑ دو اُس تہذیب اور تمدن کی عمارت کو جو اِس وقت دنیا میں اسلام کے خلاف کھڑی ہے۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دو اُس قلعہ کو جو شیطان نے اِس میں بنا لیا ہے، اُسے زمین کے ساتھ لگا دو بلکہ اس کی بنیادیں تک اُکھیڑ کر پھینک دو اور اس کی جگہ وہ عمارت کھڑی کرو جس کا نقشہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دیا ہے۔ یہ کام ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا اور اس کام کی اہمیت بیان کرنے کے لئے کسی لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت نہیں۔ ہر

انسان سمجھ سکتا ہے کہ دنیا کے جس گوشہ میں ہم جائیں، دنیا کی جس گلی میں سے ہم گزریں، دنیا کے جس گاؤں میں ہم اپنا قدم رکھیں وہاں ہمیں جو کچھ اسلام کے خلاف نظر آتا ہے اپنے نیک نمونہ سے اسے مٹا کر اس کی جگہ ایک ایسی عمارت بنانا جو قرآن کریم کے بتائے ہوئے نقشہ کے مطابق ہو ہمارا کام ہے پس تم سمجھ سکتے ہو کہ تمہارا چلن اور تمہارا طور اور تمہارا طریق اُسی وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منشاء کو پورا کرنے والا ہوسکتا ہے، اُسی وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منشاء کو پورا کرنے والا ہوسکتا ہے، اُسی وقت زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے خدا کے منشاء کو پورا کرنے والا ہوسکتا ہے جب کہ تم دنیا میں ایک خدا نما وجود بنو اور اسلام کی اشاعت کے لئے کُفر کی ہر طاقت سے ٹکر لینے کے لئے تیار رہو۔ یہ نہیں کہ دنیا تم کو اپنا سمجھتی ہو اور تم اس کو اپنا سمجھتے ہو، بے شک انسان بحیثیت انسان ہونے کے تمہارا محبوب ہونا چاہئے کیونکہ اس کی اصلاح کے لئے تمہیں کھڑا کیا گیا ہے لیکن جہاں انسان بحیثیت انسان ہونے کے تمہارا محبوب ہونا چاہئے کیونکہ اسی کی درستی اور اصلاح کے لئے تم کھڑے کئے گئے ہو وہاں اس کے خلافِ اسلام کردار سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے کیونکہ تم اس کے پیچھے چلنے کے لئے نہیں اسے اپنے پیچھے چلانے کے لئے کھڑے کئے گئے ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے، اگر تم اس کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہو، اگر تم اس کے ناجائز افعال کی اصلاح سے غافل رہتے ہو تو اس کے معنے یہ ہیں کہ تمہارے اندر منافقت کی رگ پائی جاتی ہے اور تم اپنے فرائض کی بجا آوری سے غافل ہو۔

مجھے ہمیشہ حیرت آتی ہے ان لوگوں پر جو میرے پاس شکایتیں لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگ ہماری مخالفت کرتے ہیں ہم کیا کریں۔ میں انہیں کہتا ہوں تم اس بات پر کیوں غور نہیں کرتے کہ لوگ تمہاری کیوں مخالفت کرتے ہیں۔ اگر وہ اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ وہ تمہارے متعلق غلط فہمی کا شکار ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تم اسلام کے دشمن ہو تو اس مخالفت کو دور کرنے اور ان کو اپنا دوست بنانے کے دو ہی طریق ہو سکتے ہیں۔ یا تو تمہیں اپنے دعویٰ احمدیت کو چھوڑنا پڑے گا اور تمہیں بھی ویسا ہی بننا پڑے گا جیسے تمہارا مخالف ہے پھر بے شک وہ تمہاری طرف محبت کا ہاتھ بڑھا کر کہے گا کہ ہم دونوں ایک جیسے ہیں اور یا پھر تمہیں کوشش کر کے اس کو بھی اپنے جیسا بنانا پڑے گا اور درست طریق یہی ہے کہ تم اسے بھی اپنے اندر شامل کرنے کی کوشش کرو۔ اس صورت میں بھی وہ تمہاری طرف اپنا ہاتھ بڑھا کر کہے گا کہ یہ میرا محسن ہے اور تمہاری آپس کی

مخالفت ختم ہو جائے گی لیکن اگر تم اس طریق کو اختیار نہیں کرتے اور یہ شور مچاتے چلے جاتے ہو کہ لوگ ہمارے دشمن ہیں تو اس سے زیادہ بے وقوفی کی علامت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اگر تم نے احمدیت کو سمجھا ہے اور اگر تم نے احمدیت کے مغز کو حاصل کیا ہے تو تمہیں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ سوائے اس کے کہ کوئی شخص سچائی کی تحقیق کر رہا ہو اور اُس پر ایک حد تک سچائی کُھل چکی ہو۔ یا سوائے ان کے جو مادر پدر آزاد ہوتے ہیں وہ مسلمان کہلاتے ہیں مگر مسلمان نہیں ہوتے، عیسائی کہلاتے ہیں مگر عیسائی نہیں ہوتے، یہودی کہلاتے ہیں مگر یہودی نہیں ہوتے، ہندو کہلاتے ہیں مگر ہندو نہیں ہوتے، باقی کسی انسان سے تمہارا یہ امید کرنا کہ جس عظیم الشان کام کے لئے تم کھڑے ہوئے ہو اُس میں تمہاری کوئی مخالفت نہ کرے ایک بالکل احمقانہ اور مجنونانہ خیال ہے۔ یہ مخالفت اسی صورت میں ختم ہو سکتی ہے جب تم ان کو اپنا دوست بناؤ اور وہ دوست اسی صورت میں بن سکتے ہیں جب تم ان کی غلط فہمیوں کو دور کر دو اور انہیں اسلام اور احمدیت کی برکات سے روشناس کرو۔ پس اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے زندگی بسر کرو اور اس خیال میں مت رہو۔ (خصوصاً مَیں زمینداروں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں) کہ فلاں مشکل پیدا ہو گئی ہے کسی آدمی کو قادیان بھیجا جائے جو کسی ناظر سے ملے ناظر خدا نہیں، میں خدا نہیں، جب خدا نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جو لوگ اس کے دین کی خدمت کے لئے کھڑے ہوں گے انہیں ابتلاؤں اور امتحانوں کی بھٹی میں سے گزرنا پڑے گا تو کوئی انسان تمہاری کیا مدد کر سکتا ہے۔ اگر تم آرام کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ آرام سے زندگی بسر کرنے والوں کے لئے احمدیت میں کوئی جگہ نہیں کیونکہ احمدیت اس لئے نہیں آئی کہ اپنے عقائد کو ترک کر کے اور مداہنت سے کام لے کر دنیا سے صلح کر لے، احمدیت اس لئے نہیں آئی کہ گاؤں کے چند نمبردار اس کا اقرار کر لیں اور وہ تمہیں دُکھ نہ دیں، احمدیت اس لئے نہیں آئی کہ چند بڑے بڑے چوہدری اس کی صداقت کا اقرار کر لیں، بلکہ احمدیت اس لئے آئی ہے کہ سارے گاؤں، سارے شہر، سارے صوبے، سارے مُلک اور سارے برِّاعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیئے جائیں۔ پس یہ چیزیں حقیقت ہی کیا رکھتی ہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے جس دن یہ آگ تم میں پیدا ہو گئی تم اپنے آپ کو مضبوطی میں ایک پہاڑ محسوس کرو گے لیکن جب تک یہ آگ تم میں پیدا نہیں ہو گی تم چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش رہو گے جیسے بیمار مر رہا ہوتا ہے تو وہ افیون کی گولی کھا لیتا ہے۔ افیون کی گولی سے اس کا درد بے شک کم ہو جائے مگر اسے آرام نہیں آئے گا۔ اس کے

مقابلہ میں عقلمند انسان افیون نہیں کھائے گا بلکہ وہ کہے گا میں درد برداشت کرلوں گا مگر صحیح رنگ میں اپنا علاج کراؤں گا اس صورت میں وہ بچ بھی جائے گا پس ان چھوٹے چھوٹے جھگڑوں کی پروا مت کرو۔ تم کو خدا نے عظیم الشان کام کے لئے پیدا کیا ہے مگر تمہاری مثال بعض دفعہ ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسے مشہور ہے کہ کشمیر کے مہاراجہ نے ڈوگروں کی فوج کے علاوہ ایک دفعہ کشمیریوں کی بھی فوج بنائی مگر اس سے وہ کشمیری مراد نہیں جو پنجاب میں رہتے ہیں اور جو ہر لڑائی میں ڈنڈا لے کر آگے آ جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ پنجاب میں کشمیری آ کر بہادر ہو جاتا ہے اور کشمیر میں پنجابی جا کر بُزدل ہو جاتا ہے بہرحال مہاراجہ نے کشمیریوں کی بھی ایک فوج تیار کی۔ ایک دفعہ سرحد پر لڑائی ہوئی اور گورنمنٹ برطانیہ کو مختلف راجوں مہاراجوں نے اپنی اپنی ریاستوں کی طرف سے فوجی امداد دی۔ کشمیر کے مہاراجوں نے بھی اِس فوج کو سرحد پر جانے کا حکم دیا اور کہا ہم امید کرتے ہیں کہ تم اچھی طرح لڑو گے سالہا سال تو ہم سے تنخواہ لیتے رہے ہو اب حقِّ نمک ادا کرنے کا وقت آیا ہے اس لئے تم سے امید کی جاتی ہے کہ تم اس نازک موقع پر اپنے فرائض کو عمدگی سے سرانجام دو گے۔ کشمیریوں نے جواب دیا کہ سرکار! ہم نمک حرام نہیں ہم خدمت کے لئے ہر وقت حاضر ہیں مگر حضور کے یہ خادم سپاہی ایک بات عرض کرنا چاہتے ہیں۔ لڑائی کا موقع تھا اور مہاراجہ ان کو خوش کرنے کے لئے تیار تھا اُس نے سمجھا اگر یہ راشن بڑھانے کا مطالبہ کریں گے تو راشن بڑھا دوں گا، تنخواہ میں زیادہ کا مطالبہ کرینگے تو تنخواہ زیادہ کردوں گا چنانچہ اس نے کہا بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ کشمیری کہنے لگے حضور! ہم نے سنا ہے پٹھان ذرا سخت ہوتے ہیں ہمارے ساتھ پہرہ ہونا چاہئے۔ گویا وہ جان دینے کو تیار ہیں، لڑائی پر جانے کے لئے آمادہ ہیں مگر کہتے ہیں پٹھان ذرا سخت ہوتے ہیں ساتھ پہرہ ہونا چاہئے۔ وہ لوگ جو احمدیت میں داخل ہیں مگر پھر خیال کرتے ہیں کہ فلاں نے چونکہ ہمیں مارا پیٹا ہے اس لئے دَوڑ و اور قادیان چل کر شکایت کرو وہ بھی درحقیقت ایسے ہی ہیں وہ بھی کہتے ہیں ہمارے ساتھ کسی ناظر کا پہرہ ہونا چاہئے ایسا شخص سپاہی کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ سپاہی وہی کہلاسکتا ہے جو بہادر ہو اور ہر مصیبت کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو۔ درحقیقت احمدیت قبول کرنا اوکھلی میں سر دینے والی بات ہے۔ کسی نے کہا ہے ”اوکھلی میں سر دینا تو موہلوں کا کیا ڈر“ یعنی جب اوکھلی میں سر دے دیا تو اُس ڈنڈے کا جس سے چاول کُوٹے جاتے ہیں کیا ڈر ہوسکتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص احمدیت میں داخل ہو تو اسے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت مجھ پر مصائب بھی آئے تو میں ان تمام

مصائب کو برداشت کروں گا اور کسی موقع پر بھی اپنا قدم پیچھے نہیں ہٹاؤں گا۔

پس یاد رکھو وہ کامیابیاں اور ترقیاں جو آنے والی ہیں ان کے لئے مصائب کی بھٹی میں سے گزرنا تمہارے لئے ضروری ہے۔ اس کے بعد کامیابیاں بھی آئیں گی خواہ وہ تمہاری زندگی میں آئیں یا تمہاری موت کے بعد۔ شریف آدمی یہ نہیں دیکھا کرتا کہ قربانی کا پھل اُسے کھانے کو ملتا ہے یا نہیں بلکہ وہ قربانی کرتا چلا جاتا ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قربانی کا پھل چکھنے کا اسے موقع بھی نہیں ملتا کہ وہ وفات پا کر اپنے رب کے حضور پہنچ جاتا ہے۔ تم اگر غور کرو تو تم میں سے اچھے کھاتے پیتے تو وہی نکلیں گے جن کے باپ دادا نے خود نہیں کھایا اور کنگال وہی نکلیں گے جن کے باپ دادا نے جو کچھ کمایا تھا وہ کھالیا۔ آخر یہ بڑے بڑے زمیندار جو آج تمہیں نظر آ رہے ہیں کیسے بن گئے؟ یہ بڑے زمیندار اسی طرح بنے کہ ان کے باپ دادوں نے تنگی سے گزارہ کیا اور ایک ایک پیسہ بچا کر ایک کنال یہاں سے اور ایک کنال وہاں سے خریدی۔ پھر رفتہ رفتہ ایک گھماؤں زمین ہوگئی۔ اور پھر ایک سے دو اور دو سے چار اور چار سے دس اور دس سے پندرہ اور پندرہ سے بیس گھماؤں زمین کے وہ مالک بن گئے اور جب وہ مرے تو ان کی اولاد نے ان کی زمینوں سے فائدہ اُٹھایا۔ مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اولاد ناخلف ہوتی ہے وہ باپ دادا کی جائداد کو اُڑا دیتی اور آہستہ آہستہ مقروض ہو جاتی ہے اور وہی زمین جو ان کے باپ دادا نے بڑی مشکلات سے اکٹھی کی ہوتی ہے بنیوں کے قبضے میں چلی جاتی ہے اور جب آگے ان کی اولاد آتی ہے تو وہ بُھوکوں مرنے لگتی ہے اور وہ ان بنیوں کو گالیاں دیتی ہے جو ان کی زمینوں پر قبضہ کئے ہوتے ہیں حالانکہ انہیں گالیاں اپنے ماں باپ کو دینی چاہئیں جو اپنی اولاد کا حصہ کھا گئے۔

تو باپ دادوں کی محنت ہمیشہ اولاد کے کام آتی ہے اور اگر کوئی شخص محنت نہیں کرتا تو اس کی اولاد بھی اس محنت کے فوائد سے محروم رہتی ہے۔ تم غریب سہی، تم کنگال سہی لیکن اگر تم میں سے کسی کی ایک کنال زمین بھی ہے تو جب تم اس زمین پر کھڑے ہوتے ہو تو یوں سمجھتے ہو کہ یہاں سے امریکہ تک سب جگہ تمہاری ہی حکومت ہے اور تمہارا دل اتنا بہادر ہوتا ہے کہ تم کہتے ہو کہ ہمیں کسی کی کیا پرواہ ہے۔ اور اگر تمہاری ایک گھماؤں زمین ہوتی ہے یا دس گھماؤں زمین ہوتی ہے یا بیس گھماؤں زمین ہوتی ہے تو پھر تو تمہاری یہ حالت ہوتی ہے کہ تم ایک طرف کھڑے ہو کر کہتے ہو کہ ہماری ایک پَیلی اِس سرے پر ہے اور ایک پَیلی اُس سرے پر۔ خواہ درمیان میں دس زمینداروں کی اور بھی زمینیں ہوں مگر ایسی حالت میں جب تم اپنی زمین پر تکبر کے ساتھ کھڑے

ہوتے ہو ایک شخص پھٹے پُرانے کپڑوں میں تمہارے پاس آ جاتا ہے اور کہتا ہے مَیں مسافر ہوں میری مدد کی جائے۔ تم اُس سے پوچھتے ہو تم کون ہو؟ اور وہ کہتا ہے سیّد۔ یہ سنتے ہی تم فوراً اپنی چادر اس کے لئے بچھا دیتے ہو اور اس کے ساتھ ادب سے باتیں کرنا شروع کر دیتے ہو۔ آخر اس کے ساتھ کون سی طاقت ہے جو تمہیں اِس بات پر مجبور کر دیتی ہے کہ تم اس کے ساتھ عزت سے پیش آؤ اور اس سے ادب کا سلوک کرو۔ وہ یہی طاقت ہے کہ وہ اپنے آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتا ہے پس اس کی طاقت اپنی نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طاقت ہے جو آپؐ نے سادات میں منتقل کی اور جو آپؐ نے ہر مسلمان کے اندر منتقل کی اور ہر ایک نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس طاقت کو اپنے اندر جذب کر کے اس سے فائدہ اُٹھایا۔ ابوبکرؓ نے اپنی طاقت کے مطابق کام کیا، عمرؓ نے اپنی طاقت کے مطابق کام کیا، عثمانؓ نے اپنی طاقت کے مطابق کام کیا، علیؓ نے اپنی طاقت کے مطابق کام کیا، طلحہؓ اور زبیرؓ نے اپنی طاقت کے مطابق کام کیا اور تمہارے باپ دادوں نے اپنی طاقت کے مطابق کام کیا۔ اب تم جیسا کام کرو گے دنیا میں ویسا ہی تغیر پیدا ہوگا اور جتنا زور سے گیند پھینکو گے اُتنا ہی دُور وہ چلا جائے گا۔

پس یہ نادانی کا خیال ہے جو بعض لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے ان قربانیوں سے کیا فائدہ اُٹھانا ہے۔ اگر ہماری قوم، ہمارے خاندان اور ہماری نسل کے لئے عزت کا مقام حاصل ہو جائے تو درحقیقت وہ عزت ہمیں ہی حاصل ہوگی۔ پس اِس قسم کے وسوسوں کو چھوڑ کر اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرو جو تمہیں دین کے لئے ہر قسم کی قربانیوں پر آمادہ کر دے اور تمہیں سچا بہادر بنا دے۔

میں نے جب مجلس خدام الاحمدیہ قائم کی تھی تو درحقیقت میں نے تم سے یہ امید کی تھی کہ تم سچے بہادر بن جاؤ اور سچا بہادر وہ ہوتا ہے جو جھوٹ سے کام نہیں لیتا، جو شخص دلیری سے کسی فعل کا ارتکاب کرتا ہے مگر بعد میں اپنے اس فعل پر بشرطیکہ وہ بُرا ہو نادم ہوتا ہے اور اسے چھپانے کی کوشش کرتا نہیں وہ سچا بہادر ہے لیکن اگر وہ کوئی غلطی تو کرتا ہے مگر جب پکڑا جاتا ہے تو کہتا ہے میں نے یہ فعل نہیں کیا تو وہ جھوٹا بہادر ہے۔ اگر وہ اس کام کو اچھا نہیں سمجھتا تھا تو اس نے وہ کام کیا کیوں؟ اور اگر غلطی سے کر لیتا ہے تو پھر دلیری سے اس کا اقرار کیوں نہیں کرتا۔ اسلام جس بہادری کا تم سے تقاضا کرتا ہے وہ یہ ہے کہ تم بے شک معاف کرو مگر اُس وقت جب تم اپنے عفو سے بہادر

کہلا سکو، تم بے شک چشم پوشی کرو مگر اُس وقت جب تم چشم پوشی سے بہادر کہلا سکو، تم بے شک غریب پروری کرو مگر اُسی وقت جب تک غریب پروری سے بہادر کہلا سکو، تم بے شک مظلوم بنو مگر اُسی وقت جب تم مظلوم بن کر بہادر کہلا سکو اور اگر تمہارا دین اور تمہارا ایمان کہتا ہے کہ اب چشم پوشی کا وقت نہیں اب پیچھے ہٹنے کا وقت نہیں تو اس صورت میں تم اپنا فرض ادا کرنے کے لئے آگے بڑھو اور پھر جو کچھ درست سمجھتے ہو اس کو دلیری سے کرو۔ مجھے حیرت آتی ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ ایک احمدی دوسرے کو گالی دیتے سُن کر جوش میں آجاتا ہے اور خود بھی اس کے مقابلہ میں گالی دے دیتا ہے حالانکہ اسلام یہ سکھاتا ہے کہ تم گالی سن کر صبر کرو۔ یا اگر کوئی شخص تمہیں تھپڑ مارتا ہے اور تم بھی جواب میں اسے تھپڑ مار دیتے ہو تو یہ اسلامی بہادری نہیں۔ اسلامی بہادری یہ ہے کہ جب کوئی شخص تمہیں تھپڑ مارے تو تم اسے کہو کہ تم نے جو کچھ کیا ناواقفیت سے کیا مگر میرا مذہب مجھے یہی کہتا ہے کہ میں دوسرے کو معاف کر دوں اس لئے میں تمہیں کچھ نہیں کہتا بلکہ معاف کرتا ہوں بشرطیکہ تم یہ سمجھو کہ اس کو معاف کرنے کا فائدہ ہے اور یاد رکھو کہ نوے فیصدی فائدہ ہی ہوتا ہے۔ پس بہادری یہ ہے کہ تم نوے فیصدی لوگوں سے کہہ دو کہ بے شک ہمیں مار لو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے بشرطیکہ تمہارے بازو میں طاقت ہو، بشرطیکہ تمہاری آنکھوں میں حدت ہو اور بشرطیکہ تمہارا سینہ اُبھرا ہؤا ہو۔ تب بے شک تمہارے اس عفو کا دوسرے پر اثر پڑے گا لیکن اگر تم کُبڑے ہو، تمہارا ہاتھ خالی ہو، تمہارے بازو دُبلے پتلے ہوں، تمہاری آنکھوں میں چمک نہ ہو اور تم دوسرے کو یہ کہو کہ میں تمہیں معاف کرتا ہوں تو ہر شخص کہے گا ''عصمت بی بی از بے چارگی'' مقابلہ کی طاقت نہیں اور زبان سے معاف کیا جاتا ہے۔

دیکھو! اسلام تم سے صبر کا مطالبہ کرتا ہے، اسلام تم سے رحم کا مطالبہ کرتا ہے، اسلام تم سے عفو کا مطالبہ کرتا ہے لیکن اسلام تم سے بہادری کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ اگر تم دس آدمیوں کو پچھاڑ سکتے ہو لیکن جب کوئی شخص تمہیں تھپڑ مارتا ہے تو تم گردن جُھکا کر یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلے آتے ہو کہ میں نے تمہیں معاف کیا تو سارا گاؤں تمہارے اس فعل سے متأثر ہوگا۔ لیکن اگر تم کمزور ہونے کی وجہ سے ایک شخص کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے اور پھر اسے کہتے ہو کہ میں نے تمہیں معاف کیا تو ہر شخص تم پر ہنسے گا اور کہے گا کہ یہ معاف کرنے والا جھوٹا ہے جانتا ہے کہ اگر میں نے ہاتھ اُٹھایا تو دوسرا تھپڑ مار کر میرے سارے دانت توڑ دے گا اس لئے یونہی اس نے کہہ دیا ہے کہ میں نے معاف کیا ورنہ جانتا ہے کہ مقابلہ کرنے کی اِس میں ہمت نہیں۔ میں نے اگر تمہیں ورزش کی

نصیحت کی تو اسی لئے کہ اگر اسلام کے احکام کے ماتحت تم کسی وقت عفو سے کام لو تو لوگ تمہارے اِس عفو کو بُزدلی کا نتیجہ نہ سمجھیں، دھوکا اور فریب نہ سمجھیں۔ جب تمہارے بازو میں یہ طاقت ہو کہ تم ایک دفعہ کسی پر ہاتھ اُٹھاؤ تو اُس کے دو چار دانت نکال دو اور پھر اس کے قصور پر اسے معاف کر دو تو دیکھو اس کا کتنا اثر ہوتا ہے۔ لوگ زبردست کی معافی سے متأثر ہوتے ہیں کمزور کی معافی سے متأثر نہیں ہوتے اور بہادری اُسی کی سمجھی جاتی ہے جس میں طاقت ہو اور پھر عفو سے کام لے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک لڑائی میں شامل تھے۔ ایک بہت بڑا دشمن جس کا مقابلہ بہت کم لوگ کر سکتے تھے آپؓ کے مقابلہ پر آیا اور کئی گھنٹے تک آپؓ کی اور اس یہودی پہلوان کی لڑائی ہوتی رہی۔ آخر کئی گھنٹے کی لڑائی کے بعد آپؓ نے اس یہودی کو گرا لیا اور اس کے سینہ پر بیٹھ گئے اور ارادہ کیا کہ خنجر سے اُس کی گردن کاٹ دیں کہ اچانک اس یہودی نے آپؓ کے منہ پر تُھوک دیا۔ آپ فوراً اسے چھوڑ کر سیدھے کھڑے ہو گئے وہ یہودی سخت حیران ہؤا اور کہنے لگا یہ عجیب بات ہے کہ کئی گھنٹے کی کُشتی کے بعد آپ نے مجھے گرایا اور اب یکدم مجھے چھوڑ کر الگ ہو گئے ہیں یہ آپ نے کیسی بے وقوفی کی ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے بے وقوفی نہیں کی بلکہ جب میں نے تمہیں گرایا اور تم نے میرے منہ پر تُھوک دیا تو یکدم میرے دل میں غصّہ پیدا ہؤا کہ اِس نے میرے منہ پر کیوں تُھوکا ہے مگر ساتھ ہی مجھے خیال آیا کہ اب تک تو میں جو کچھ کر رہا تھا خدا کے لئے کر رہا تھا اگر اس کے بعد میں نے لڑائی جاری رکھی تو تیرا خاتمہ میرے نفس کے غصّہ کی وجہ سے ہوگا خدا کی رضا کے لئے نہیں ہوگا اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اِس وقت میں تجھے چھوڑ دوں جب غصہ جاتا رہے گا تو پھر خدا کے لئے میں تجھے گرا لونگا۔[۲] تو انہیں اپنے عمل کے پاکیزہ ہونے کا اس قدر احساس تھا کہ انہوں نے اس خطرہ کو تو برداشت کر لیا کہ دشمن سے دوبارہ مقابلہ ہو جائے مگر یہ مناسب نہ سمجھا کہ ان کے اعمال میں کسی قسم کی کمزوری پیدا ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے اعمال بھی خدا کے لئے ہوں ان میں نفسانیت کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ ان میں بزدلی کا کوئی شائبہ نہ ہو، اور ان میں تقویٰ کے خلاف کسی چیز کی آمیزش نہ ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اتنا مضبوط، اتنا بہادر اور اتنا دلیر اور اتنا جری ہو کہ جب تم کسی کو معاف کرو تو لوگ خود بخود یہ کہیں کہ تمہارا عفو خدا کیلئے ہے کمزور ہونے کی وجہ سے نہیں۔ ایسی قربانی دلوں کو موہ لیتی ہے اور ایسے انسان پر حملہ کرنا آسان نہیں ہوتا کیونکہ حملہ کرنے والے کا دل فتح ہو جاتا ہے۔

مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ ہمیشہ یاد رہتا ہے میں چھوٹا تھا کہ میں نے اور دوسرے بچوں نے مل کر جہلم سے ایک کشتی منگوائی۔ وہ کشتی نیلام ہوئی تھی اور ہمیں سَستی مل گئی تھی یوں تو ویسی کشتی اُن دنوں سَو ، سَوا سَو روپیہ میں تیار ہوتی تھی مگر ہمیں صرف سترہ روپیہ میں مل گئی اور چھبیس روپے کرایہ لگا۔ جب وہ یہاں آ گئی تو جو خریدنے والے تھے ان میں سے کئی باہر چلے گئے اور آخر نگران مَیں ہی مقرر ہؤا۔ ہم نے اُس کو ایک زنجیر سے باندھ کر ڈھاب کے کنارے رکھا ہؤا تھا۔ بعض دفعہ جب ہم وہاں موجود نہ ہوتے تو لڑکوں نے کشتی کھول کر لے جانا اور خوب کُودنا اور چھلانگیں لگانا اور چونکہ وہ بے احتیاطی سے استعمال کرتے تھے اس لئے کشتی کے تختے روز بروز ڈھیلے ہوتے چلے گئے۔ میں نے اس کے انسداد کے لئے کچھ دوست مقرر کر دیئے اور انہیں کہہ دیا کہ تم نگرانی رکھو اور پھر کسی دن اگر لڑکے کشتی کو کھول کر پانی میں لے جائیں تو مجھے اطلاع دو۔ چنانچہ ایک دن قادیان کے بہت سے لڑکے اکٹھے ہو کر وہاں گئے انہوں نے کشتی کھولی اور خوب کُودنا پھاندنا شروع کر دیا۔ اس طرح پانی میں کوئی کشتی کو اِدھر سے کھینچتا کوئی اُدھر سے، مجھے بھی اطلاع ہوئی میں غصے سے ہاتھ میں بید لئے دَوڑتا ہؤا وہاں چلا گیا اور وہاں چاروں طرف لڑکے مقرر کر دیئے کہ کسی کو بھاگنے نہیں دینا۔ جب لڑکوں نے ہمیں دیکھا تو انہوں نے اِدھر اُدھر بھاگنا چاہا مگر چاروں طرف آدمی کھڑے تھے۔ آخر وہ اُسی طرف آئے جس طرف مَیں کھڑا تھا اور کشتی کو کنارے پر لگاتے ہی سب بھاگ کھڑے ہوئے اور تو نکل گئے لیکن ایک قصاب کا لڑکا مَیں نے پکڑ لیا اور گو وہ مجھ سے بہت مضبوط تھا اور اُس کا جسم بھی ورزشی تھا مگر میں جانتا تھا کہ وہ میرا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ کچھ اُس میں فطرت کی اس کمزوری کا بھی دخل تھا کہ میں سمجھتا تھا کہ یہ لوگ ہم پر ہاتھ نہیں اُٹھا سکتے کیونکہ ہم یہاں کے مالک ہیں۔ غرض بچپن کی جو ناعقلی ہوتی ہے کہ انسان اپنے رُعب سے بعض دفعہ ناجائز فائدہ اُٹھاتا ہے اس کے مطابق میں نے زور سے ہاتھ اُٹھا کر اُسے مارنا چاہا۔ اُس نے پہلے تو اپنا منہ بچانے کے لئے ہاتھ اُٹھایا جس پر مجھے اور زیادہ طیش آیا اور میں نے زیادہ سختی سے اُسے تھپڑ مارنا چاہا مگر ابھی تھپڑ اُسے نہیں مارا گیا تھا کہ اُس نے اپنا منہ میرے سامنے کر دیا اور کہنے لگا لو جی مارلو۔ اِس پر یکدم میرا ہاتھ نیچے گر گیا اور مَیں شرمندہ ہؤا کہ فتح آخر اُس کی ہوئی حالانکہ جسمانی لحاظ سے وہ گو مجھ سے طاقت ور تھا مگر رُعب کے لحاظ سے وہ مجھ سے کمزور تھا لیکن چونکہ اُس نے مقابلہ سے انکار کیا اور کہا کہ مارلو تو میری انسانیت نے مجھے کہا اب اگر تُو نے اسے مارا تو تُو انسان کہلانے کا مستحق نہیں رہے گا۔ لیکن اگر وہ تندرست اور

زبردست نوجوان ہونے کی بجائے ایک چھوٹا سا بچہ ہوتا، اُس کی پیٹھ میں خم ہوتا، اس کے سینہ میں گڑھا پڑا ہوا ہوتا، اس کی گردن دُبلی پتلی ہوتی، اس کی ناک سے رال بہہ رہی ہوتی اور وہ کہتا مارلو تو مجھ پر کچھ بھی اثر نہ ہوتا کیونکہ میں جانتا کہ اِس میں مقابلہ کی طاقت ہی نہیں۔ پس میں نے اگر جسمانی ورزش کی ہدایت دی ہے تو اِس لئے کہ تمہاری قربانی دنیا کو سچی معلوم ہو یہ نہ ہو کہ تم ماریں بھی کھاؤ اور قربانی بھی سچی معلوم نہ ہو۔ وہ مار لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب بنتی ہے جو طاقت رکھتے ہوئے کھائی جائے مگر جو مار بُزدلی کی وجہ سے کھائی جائے اس سے حقارت اور نفرت بڑھتی ہے۔ جب لوگ یہ سمجھیں کہ وہ ایک تھپڑ ماریں تو دوسرا دو تھپڑ مار سکتا ہے، وہ اگر ایک گال پر خراش پیدا کریں تو دوسرا ان کے دانت نکال سکتا ہے، وہ اگر کھوپڑی پر چوٹ لگائیں دوسرا ان کے سر کو پھوڑ سکتا ہے تو اگر ایسی طاقت رکھنے والا انسان ایک کمزور انسان سے کہے کہ میں تم سے مار کھا لیتا ہوں تو دوسرے انسان کے دل پر ضرور چوٹ پڑتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ کوئی ایسی طاقت ہے جس نے اسے اتنی بڑی قربانی پر آمادہ کر دیا اور وہ سچائی کو قبول کر لیتا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھو آپؐ نے مکہ میں صبر کیا اور ایسا صبر کیا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ مگر لوگ کہہ سکتے تھے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ بُزدل ہے اس لئے لڑائی سے کنارہ کرتا ہے۔ مگر پھر اللہ تعالیٰ آپؐ کو مدینہ میں لے گیا اور وہاں فوجوں کی کمان آپؐ کو کرنی پڑی اور ایسے ایسے مواقع آئے جن میں آپؐ کو اپنی بہادری کے جوہر دکھانے پڑے۔ اُحد کے موقع پر ہی ایک شخص جو مکہ کا بہت بڑا جرنیل تھا آگے آیا اور اس نے کہا مَیں نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا اس لئے میرے مقابلہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو ہی نکالا جائے۔ صحابہؓ بڑے بہادر اور تجربہ کار تھے، وہ شمشیر زنی سے واقف تھے، وہ نیزہ بازی کو خوب جانتے تھے، وہ لڑائی کے اصول اور فن کے ماہر تھے، وہ سارے اِس نیت سے کھڑے ہو گئے کہ ہم مر جائیں گے مگر اِس شخص کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچنے نہیں دیں گے لیکن آپؐ نے فرمایا رستہ چھوڑ دو۔ صحابہ نے آپؐ کے حکم کے ماتحت رستہ خالی کر دیا۔ اِس پر یہ جرنیل شیر کی طرح گرجتا ہوا آپؐ کے مقابلہ میں آیا۔ آپؐ نے اپنا نیزہ بڑھا کر اُس پر وار کیا اور اُس کی گردن پر ایک معمولی سا زخم لگا دیا وہ اُسی وقت چیخ مار کر واپس لَوٹ گیا۔ لوگوں نے اُس سے کہا کہ تم نے یہ کیا کِیا؟ یا تو اس بہادری سے حملہ کرنے کے لئے گئے تھے اور یا اس بُزدلی کے ساتھ واپس بھاگ آئے اور پھر تمہارا تو زخم بھی کوئی بڑا نہیں اُس نے کہا بے شک

یہ ایک چھوٹا سا زخم ہے لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سارے جہنم کی آگ اِس میں بھر دی گئی ہے جو مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی۔[۱۳] یہ ایک نشان تھا جو خدا تعالیٰ نے دکھایا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فرمانا کہ میرے لئے رستہ چھوڑ دو اس نے بتا دیا کہ مکہ میں کُفار کے مظالم آپؐ کمزوری یا بُزدلی کی وجہ سے برداشت نہیں کرتے تھے بلکہ بہادری اور طاقت کے ہوتے ہوئے برداشت کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ کی قربانیوں کو دیکھ کر لوگ ہدایت پا جاتے تھے۔

قرآن آپؐ نے سنایا اور سالوں سنایا مگر حمزہؓ پر جو آپؐ کے چچا تھے کوئی اثر نہ ہؤا، توحید کے وعظ آپؐ نے کئے اور سالوں کئے مگر حمزہؓ پر کوئی اثر نہ ہؤا، اصلاحی تعلیم آپؐ نے دی اور سالوں دی مگر حمزہؓ پر کوئی اثر نہ ہؤا، نمازیں آپؐ نے پڑھیں اور پڑھائیں اور سالوں پڑھیں اور پڑھائیں مگر حمزہؓ پر کوئی اثر نہ ہؤا۔ آپؐ نے صدقے دیئے اور دلائے اور سالوں صدقے دیئے اور دلائے مگر آپؐ کے چچا حمزہؓ پر کوئی اثر نہ ہؤا، آپؐ خانہ کعبہ سے باہر پتھر کی ایک چٹان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ابوجہل آ گیا اور اُس نے پہلے تو آپؐ کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور پھر غصہ میں اُس نے زور سے آپؐ کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا۔ حمزہؓ کی ایک لونڈی اُس وقت دروازہ میں کھڑی یہ نظارہ دیکھ رہی تھی وہ اِس کو برداشت نہ کر سکی اور اندر ہی اندر سارا دن کُڑھتی رہی۔ حمزہؓ شکار کے بہت شوقین تھے اور وہ گھوڑے پر چڑھ کر شکار کے لئے حرم سے باہر نکل جایا کرتے تھے اُس دن وہ شکار کر کے فخر سے گھر میں داخل ہونے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی لونڈی جو دیر سے ان کے گھر میں رہتی تھی اور جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بچپن کا زمانہ دیکھا ہؤا تھا اور جو آپؐ سے آپؐ کے دادا کو محبت تھی اُسے بھی جانتی تھی وہ بیٹھی ہوئی رو رہی ہے۔ حمزہؓ نے پوچھا بی بی کیوں روتی ہو؟ عرب لوگ گھر کی ماماؤں اور خادماؤں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ انہوں نے سمجھا کسی نے اِس کی ہتک کی ہوگی اور اب میرا فرض ہے کہ میں اِس ہتک کا بدلہ لوں۔ لونڈی نے اپنا سر اوپر اُٹھایا اور کہا بڑے بہادر بنے پھرتے ہو۔ حمزہؓ نے کہا کیوں کیا ہؤا؟ کونسی شکایت پیدا ہوگئی ہے؟ وہ کہنے لگی تم ہتھیار لگائے پھرتے ہو اور آج آمنہ کے بیٹے کو بغیر کسی قصور کے ابوجہل نے مارا ہے۔ حمزہؓ وہیں سے پلٹے اور جہاں ابوجہل مکہ کے دوسرے سرداروں کے ساتھ بیٹھا ہؤا تھا وہاں پہنچے اور اُس کے سر پر زور سے کمان مار کر کہا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے صبر کیا اور تم نے اُس پر ظلم کیا۔ تم اگر اپنے آپ کو بہادر سمجھتے ہو اور تم میں طاقت ہے تو آؤ اور مجھ سے مقابلہ کر لو۔ اس کے بعد وہ اِس جوش کی حالت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے

پاس تشریف لے گئے۔ جس شخص کے دل پر قرآن سننے کا اثر نہیں ہوا تھا، جس شخص کے دل پر توحید کے وعظوں سے کوئی اثر نہیں ہوا تھا، جس شخص کے دل پر اخلاق کے نمونے اور تعلیم نے کوئی اثر نہیں کیا تھا، جس شخص کے دل پر صدقہ و خیرات نے کوئی اثر نہیں کیا تھا چونکہ وہ بہادر تھا یہ چیز اُسے کاٹ کر رکھ گئی کہ ایک بہادر آدمی صبر کرتا ہے اور ظالم سے مار کھا لیتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپؐ کے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ میں ایمان لاتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور میں ایمان لاتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اُس کے رسول ہیں۔[۴] اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہادر نہ ہوتے، اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دلیر نہ ہوتے، اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شجاع نہ ہوتے تو آپؐ کا صبر حمزہؓ کی ہدایت کا موجب کبھی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ کمزور تو صبر کیا ہی کرتا ہے۔ بے شک کمزوروں پر ظلم بھی لوگوں کے دلوں میں رحم پیدا کرتا ہے مگر وہ ظلم صرف رحم پیدا کرتا ہے ہدایت کا موجب نہیں ہوتا۔ ہدایت ہمیشہ طاقت ور کے ظلم کے نتیجہ میں ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ کمزور کے ظلم کو دیکھ کر لوگ رو دیتے ہیں، آہیں بھر دیتے ہیں مگر کمزور کے ظلم کو دیکھ کر مذہب تبدیل نہیں کرتے۔ مذہب اُس وقت تبدیل کرتے ہیں جب وہ ایک بہادر اور جری انسان کو گالیاں سنتے اور صبر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تب وہ کہتے ہیں کہ اِس کا صبر کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ خدائی حُکم کی وجہ سے ہے۔ پس جب مَیں تمہیں کہتا ہوں کہ اپنے وقتوں میں سے کچھ وقت کھیلوں میں لگاؤ تو میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ تم اتنا وقت دنیا کے کاموں میں خرچ کرو بلکہ میں تمہیں اصلاح و ہدایت کا بہترین نمونہ بنانا چاہتا ہوں۔ جب تم کبڈی کھیلتے ہو یا کوئی اور کھیل کھیلتے ہو اِس نیت اور ارادہ سے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے تو درحقیقت تم نیکی کرتے ہو کیونکہ تمہارا سب کام لوگوں کی ہدایت اور اسلام کو پھیلانے کیلئے ہے۔ پس بہادر بنو اور سچے بہادر بنو جیسا کہ میں نے بتایا ہے سچا بہادر وہ ہے جو ظلم کے وقت صبر سے کام لیتا اور طاقت رکھتے ہوئے عفو سے کام لیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی جب قربانی کا وقت آتا ہے وہ عواقب سے نہیں ڈرتا۔ بعض لوگ اس کے بُرے معنے لیتے ہوئے میری طرف غلط باتیں منسوب کیا کرتے ہیں مگر میں ان کے اعتراضوں سے ڈر کر اس سچائی کو نہیں چھپا سکتا جس کے بغیر اخلاق مکمل نہیں ہو سکتے اور جس کا دوسروں کو سکھانا میرا فرض ہے۔ میں تمہیں جو کچھ کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ کسی موقع پر اسلام کی خاطر جان قربان کرنے کی ضرورت ہے اور تمہیں اِس بات کا موقع ملتا ہے اور تمہارے ہاتھ سے کسی کو نادانستہ طور پر کوئی

نقصان پہنچ جاتا ہے تو پھر یہ نہ کہو کہ مَیں وہاں نہیں تھا بلکہ دلیری سے کہو کہ میں نے ہی یہ فعل کیا ہے۔ اور سچائی کو ایک لحہ کے لئے بھی ترک نہ کرو۔ تم اگر ظلم کے سہتے وقت یہ نمونہ دکھاؤ کہ تم سے کمزور تمہارے منہ پر تھپڑ مارے اور تم اپنی دوسری گال بھی اُس کی طرف یہ کہتے ہوئے پھیر دو کہ اے میرے بھائی! اگر تُو مجھے مارنے پر ہی خوش ہے تو بے شک مجھے مار لے مگر خدا کی باتیں تھوڑی دیر کے لئے سن لے تو تمہارے اِس نمونہ سے سارا گاؤں متأثر ہوگا۔ اور اگر کبھی تمہیں ظلم کا مقابلہ کرنا پڑے اور تمہارے ہاتھوں سے دوسرے کو نادانستہ طور پر کوئی نقصان پہنچ جائے اور معاملہ عدالت میں جائے تو تم عدالت میں جا کر بھی صاف طور پر کہو کہ اے حاکم! میں نے ان حالات میں یہ فعل کیا ہے اور جھوٹ بول کر اپنے آپ کو بچانے کی کبھی کوشش نہ کرو۔ اگر تم ایسا کرو تو تمہاری کامیابی اور ترقی یقینی ہے۔ لیکن اگر گالی کے مقابلہ میں تم بھی گالی دو گے، مار کے مقابلہ میں تم بھی مارو گے تو تمہارے اِس فعل کی وجہ سے احمدیت کو کوئی ترقی نہیں ہوگی۔ پس تم اِن دونوں طریقوں کو اختیار کرو ماریں کھاؤ اور کھاتے چلے جاؤ، پِٹو اور پٹتے چلے جاؤ، سوائے اس کے کہ خدا اور رسول کا حکم کہے کہ اب تمہاری جان کا سوال نہیں، اب تمہارے آرام کا سوال نہیں، اب دین کی حفاظت کا سوال ہے، ایسی صورت میں میری نصیحت تمہیں یہی ہے کہ تم مقابلہ کرو اور اِس نیکی کے حصول سے ڈرو نہیں۔ اگر مظلوم ہوتے ہوئے اور دفاع کرتے ہوئے تمہارے ہاتھوں سے نادانستہ طور پر کسی کو کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے اور درحقیقت تم ظالم نہیں ہو تو تمہارے لئے جنت کے دروازے اور زیادہ کُھل جاتے ہیں۔

پس بہادر بنو اسی طرح کہ جب لوگ تم پر ظلم کریں تو تم عفو اور چشم پوشی اور درگزر سے کام لو مگر جب دیکھو کہ چشم پوشی سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور تمہیں دفاع اور خود حفاظتی کے لئے مقابلہ کرنا پڑتا ہے تو پھر دلیری سے اس کا مقابلہ کرو اور اگر اس دَوران میں تمہارے ہاتھوں سے کسی کو کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے تو پھر صاف کہہ دو کہ میں نے ایسا کیا ہے اور جھوٹ بول کر اپنے فعل پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہ کرو۔

جیسا کہ میں بتا چکا ہوں خدام الاحمدیہ کے قیام کی غرض بہادر بننا ہے اور بہادری کا ایک حصہ سچ بھی ہے۔ بغیر سچ کے کوئی شخص بہادر نہیں ہوسکتا مگر سچ کے یہ معنی نہیں کہ تم ہر بات بیان کر دو۔ اگر ایک ڈاکو تم سے پوچھتا ہے کہ تمہارے ماں باپ اپنا روپیہ گھر میں کہاں رکھتے ہیں یا چور پوچھتا ہے کہ تمہاری بہن یا تمہاری بیوی کا کتنا زیور ہے اور وہ کہاں رکھا ہوا ہے تو تمہارا یہ کام

نہیں کہ اسے اپنے زیورات کی فہرست بتاؤ اور کہو کہ ہم فلاں جگہ رکھا کرتے ہیں۔ سچ کے معنے صرف یہ ہیں کہ جو بات بیان کی جائے وہ بالکل صحیح ہو مگر جو بات تم بیان نہیں کرنا چاہتے اس کے متعلق صاف طور پر کہہ دو کہ میں بیان کرنا نہیں چاہتا۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ تم ہر بات بیان کرو۔ مرد و عورت کے آپس میں تعلقات ہوتے ہیں مگر کوئی شخص ان تعلقات کا ذکر دوسرے کے پاس نہیں کرتا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ جو عورت اپنے مرد کے تعلقات کا ذکر اپنی کسی سہیلی سے بھی کرتی ہے اُس پر اللہ تعالیٰ کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔[۵] اب کیا وہ عورت سچ نہیں بولتی؟ سچ ہی بول رہی ہوتی ہے مگر اس سچ بولنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت برستی ہے کیونکہ وہ بے حیائی کی باتیں ہوتی ہیں۔ پس ہر بات کو بیان کرنا سچ نہیں بعض دفعہ وہ بات بیان کرنا ظلم کا موجب ہوتا ہے، بعض دفعہ اخلاق کے خلاف ہوتی ہے اور بعض دفعہ بے حیائی کا موجب ہوتی ہے۔ لیکن بہرحال انسان کا یہ فرض ہے کہ جب وہ کسی بات کو بیان کرے تو سچ سچ بیان کر دے۔ پس تم سچ بولو اور اگر کسی بات کا چُھپانا ضروری ہو تو بے شک اُس کو چُھپا لو تمہیں کوئی مجبور نہیں کر سکتا کہ تم ضرور ہر بات بیان کرو۔ بعض باتوں کے بیان کرنے سے شریعت انسان کو روکتی ہے۔ ایسی باتوں کے متعلق ہی حکم ہے کہ انہیں مت بیان کرو کیونکہ شریعت ان کو بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

یہ اغراض ہیں جو خدام الاحمدیہ کے قیام کی ہیں۔ پھر خدام الاحمدیہ کی سب سے بڑی غرض یہ ہے کہ وہ احمدی اخلاق سیکھیں، نیکی کے کام بجا لائیں اور پابندیٔ نماز کی عادت ڈالیں۔ تمہارا فرض ہے کہ تم سُست لوگوں کے پاس جاؤ اور ان میں نماز باجماعت کی پابندی کی عادت پیدا کرو مگر جیسا کہ میں نے جلسہ سالانہ پر بھی کہا تھا ناجائز دباؤ سے کام مت لو۔ اسی طرح جتنا بڑا کوئی عُہدہ دار ہو اُسے اتنا ہی چُست اور عملی کام کرنے والا ہونا چاہئے مگر آجکل مصیبت یہ ہے کہ بڑے آدمی خیال کرتے ہیں کہ ہاتھ سے کام کرنا اُن کی ہتک کا موجب ہے حالانکہ میرے نزدیک جو شخص ہاتھ سے کام نہیں کرتا وہ حرام خور ہے۔ خدا نے انسان کو ہاتھ اس لئے نہیں دیئے کہ وہ ان سے کوئی کام نہ لے بلکہ ہاتھ کام کرنے کے لئے ہی خدا نے دیئے ہیں۔ پس جس طرح خدا تعالیٰ نے زبان دی ہے اور زبان کا استعمال نہ کرنا گناہ ہے، خدا تعالیٰ نے پاؤں دیئے ہیں اور پاؤں کا استعمال نہ کرنا گناہ ہے، اسی طرح خدا تعالیٰ نے ہاتھ دیئے ہیں اور ہاتھوں کا استعمال نہ کرنا بھی گناہ ہے۔ جو شخص قیدی بن کر چارپائی پر لیٹا رہتا ہے اور اپنے ماتحتوں کو حکم دیتا رہتا ہے کہ اس

طرح کرو اور اُس طرح کرو وہ حرامخوری کرتا ہے۔ پس ہر شخص کو اپنے ہاتھوں سے کام کرنا چاہئے اسی لئے خدام الاحمدیہ روزانہ ہاتھوں سے مشقّت کا کام کرتے ہیں اور ایک دن خاص طور پر سب لوگوں کو اِس میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں اِس قسم کے اجتماعی عمل کی غرض یہی ہے کہ ہر انسان ان نعمتوں کا شکر ادا کرے جو خدا تعالیٰ نے اس کو عطا کی ہیں۔ وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ مَیں بڑا ہوں اور لوگ بے شک کام کریں مگر میں نہیں کرسکتا وہ شرم وحیا سے عاری انسان ہے۔

پس جو تمہارے عُہدہ دار ہیں انہیں زیادہ کام کرنا چاہئے اور مرکزی عُہدہ داروں کو کاموں میں خود حصہ لینا چاہئے۔ اب تو اس طرح ہوتا ہے کہ عُہدہ دار معتمد کو ہدایت بھیج دیتا ہے اور معتمد آگے ہدایت بھیج دیتا ہے لیکن آئندہ کے لئے عُہدہ داروں کو خود محلوں میں جا جا کر خدام کا کام دیکھنا چاہئے۔ اسی طرح سیکرٹریوں کو چاہئے کہ وہ بھی خود بار بار محلوں میں پھر کر کام کی نگرانی کریں صرف ہدایت لکھ کر بھیج دینی کافی نہیں ہے۔ میرے نزدیک تمام مرکزی عُہدہ داران کو ہفتہ میں دو تین بار ضرور عملی کام میں شریک ہونا چاہئے اور خدام میں بیٹھ کر ان سے باتیں کرنی چاہئیں۔ اِسی سلسلہ میں مَیں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ بعض مشورہ کے قابل امور ایسے ہوتے ہیں جن میں صرف عُہدہ دار شامل ہو سکتے ہیں۔ مگر جب کسی اجتماع کے موقع پر سب لوگ اکٹھے ہوں تو پھر سب سے مشورہ لینا چاہئے اور اِس غرض کے لئے ایسے اجتماع میں مشورہ کے قابل امور کو پیش کرنا چاہئے اور ہر ایک کو رائے دینے کی آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ میرے نزدیک ایسے جلسوں سے پہلے جماعتوں کو لکھ کر اُن سے دریافت کر لینا چاہئے کہ انہیں کام میں کیا کیا دقتیں پیش آ رہی ہیں؟ اور پھر ان مشکلات پر بحث کر کے آئندہ کے لئے سکیم بنانی چاہئے۔ مثلاً ایک سوال یہ ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کو جب کوئی ہدایت دی جاتی ہے تو وہ اسے مانتے نہیں ان کا کیا علاج ہونا چاہئے؟ اور اگر غور کیا جائے تو کئی تدابیر سامنے آ جائیں گی جو دلچسپ اور مفید ہونے کے علاوہ عقلی ترقی کا موجب ہوں گی۔ اسی طرح اگر کوئی دقّت ہو تو اسے سالانہ اجتماع کے موقع پر تمام خدام کے سامنے رکھا جائے۔ اِس کا فائدہ یہ ہوگا جب خدام کی اکثریت کے فیصلہ کو نافذ کیا جائے گا اس پر زیادہ کامیابی کے ساتھ عمل کیا جاسکے گا۔ ہر شخص کہے گا کہ یہ فیصلہ ہم نے خود کیا ہے اس لئے اس کی تعمیل ضروری ہے۔

پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ آئندہ ایسے اجلاسوں میں اہم امور کے متعلق لوگوں سے مشورے لینے چاہئیں اور ان کے مطابق اپنی سکیمیں بنانی چاہئیں۔ باقی نظام کی روح ضرور قائم

رکھنی چاہئے یعنی لوگ شور نہ مچائیں اور صدر کی اجازت کے بغیر نہ بولیں اور کوئی ایسی حرکت نہ کریں جو آداب کے خلاف ہو۔ اسی طرح عہدیداروں کا فرض ہے کہ وہ خدام سے ذاتی واقفیت پیدا کریں یہاں تک کہ وہ کسی کو دیکھتے ہی پہچان لیں کہ یہ خدام الاحمدیہ کا ممبر ہے۔

پس ذاتی واقفیت کو جتنا بڑھا سکتے ہو بڑھاؤ اب تو ہماری جماعت لاکھوں کی تعداد میں ہے پھر بھی جلسہ سالانہ کے ایام میں باوجود کوفت اور تکلیف کے مَیں سب سے مصافحہ کرتا ہوں اور اس طرح ہر سال کچھ نہ کچھ نئے لوگوں سے واقفیت ہو جاتی ہے۔ خدام الاحمدیہ کے لئے تو ابھی کافی موقع ہے کہ وہ اپنی واقفیت کو وسیع کریں۔ میں نے دیکھا ہے کہ اس نقص کی وجہ سے کہ لوگ ایک دوسرے سے ملتے کم ہیں بعض دفعہ شہری جماعتیں بھی ایک دوسرے کو نہیں پہچان سکتیں۔ میرے نزدیک اس طرح بھی خدام الاحمدیہ کا امتحان لینا چاہئے کہ عہدیدار خود اپنے خدام کو انٹروڈیوس کرائے اور ان کے حالات بیان کرے اس طرح پتہ لگ جائے گا کہ عہدیدار ان سے واقف ہے یا نہیں؟ اس طرح دلوں میں بشاشت اور اُمنگ پیدا ہو جاتی ہے اور کام میں ترقی ہوتی ہے۔ پھر میرے نزدیک اِس دفعہ کے پروگرام میں یہ بھی غلطی ہے کہ کام کی ٹریننگ کے متعلق بہت کم تقریریں رکھی گئی ہیں صرف وعظ کے طور پر بعض تقریریں رکھ دی گئی ہیں۔ حالانکہ انہیں بتانا یہ چاہئے تھا کہ اب تک کام میں کیا کیا دقتیں پیش آئی ہیں اور اِن دقتوں کا حل انہوں نے کیا تجویز کیا ہے۔ جو زیادہ سمجھ دار عہدیدار ہیں یا مرکز میں رہتے ہیں انہیں تفصیلاً یہ تمام باتیں بیان کرنی چاہئیں تھیں کہ خدام کی تنظیم کے کام میں ان سے کام لینے کے دَوران میں کیا کیا دقتیں پیش آئیں، انہوں نے ان کا کیا علاج تجویز کیا اور کس طرح ان دقتوں کو دُور کیا۔ ایسے مضامین پر زیادہ زور دینا چاہئے تھا تا دوسرے لوگ بھی فائدہ اُٹھا سکتے اور وہ یہاں سے خدام الاحمدیہ کے کام کو سیکھ کر جاتے۔

کھیلوں کے متعلق بھی میں خدام کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ آج کل کی ورزشیں ایسی ہیں جو امیر اور غریب میں فرق کرتی ہیں۔ آپ لوگ جو گاؤں والے ہیں کرکٹ نہیں کھیل سکتے کیونکہ آپ کا اگر ایک لڑکا بھی سکول میں پڑھتا ہے تو آپ ہیڈ ماسٹر کی خوشامدیں کرتے پھرتے ہیں کہ میرے لڑکے کی فیس معاف کر دیں۔ پھر اگر وہ لڑکا پاس ہو جائے تو آپ لوگوں کا بڑا معیار یہ ہوتا ہے کہ وہ کہیں نائب مدرّس ہو جائے یا پٹواری بن جائے یا کانسٹیبلوں میں بھرتی ہو جائے۔ آپ لوگوں کے پاس بھلا کہاں طاقت ہے کہ آٹھ دس روپے کا بَلاّ خریدیں اور

وہ دو مہینہ کے بعد ٹوٹ جائے۔ پھر آپ لوگوں کو یہ کہاں توفیق ہے کہ روپیہ ڈیڑھ روپیہ کا گیند لیں جس پر اگر چند ہٹیں بھی لگ جائیں تو وہ ڈھیلا پڑ جاتا ہے اور ضرورت ہوتی ہے کہ اس کی بجائے دوسرا گیند لایا جائے۔ آپ لوگوں کے لئے تو سب سے بڑی ورزش یہ ہے کہ جتنا دَوڑ سکتے ہوں دوڑیں کُھلے میدان آپ کے سامنے ہوتے ہیں اور جتنا دَوڑنا چاہیں دَوڑ سکتے ہیں شہری جو آپ کے بھائی ہیں ویسے ہی خدا کے بندے ہیں جیسے آپ ہیں۔ مگر جب وہ سفید فلالین کی پتلونیں پہن کر اور آدھی آدھی باہوں کی ٹول (TWILL) کی قمیض پہن کر نکلتے ہیں تو زمیندار سمجھتے ہیں کہ شاید وہ کسی ساہوکار کے بیٹے ہیں یا انہیں گورنمنٹ میں کوئی بڑا عُہدہ حاصل ہے۔ جب وہ سفید پتلونیں اور پٹیاں لگا کر اور آدھی آدھی بانہوں کی قمیض پہن کر کرکٹ کھیلنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں تو زمیندار دور کھڑے ہو کر انہیں دیکھنے لگ جاتے ہیں اور ہر ایک ہِٹ کے متعلق وہ سمجھتے ہیں کہ شاید بی اے یا ایم اے کو یہ کوئی خاص ہُنر سکھایا گیا ہے اور کالج کا طالب علم بھی جب ہِٹ مار کر اور تکبر سے گردن موڑ کر چلتا ہے تو سمجھتا ہے کہ سارے زمیندار جن میں سے کوئی اُس کا دادا ہوتا ہے اور کوئی اُس کا پڑدادا ہوتا ہے جانور ہیں۔ پھر کرکٹ کے لئے اتنی بڑی فیلڈ ہونی چاہئے جو ہماری اِس مسجد اقصیٰ سے اپنی وُسعت میں چار گُنے بلکہ سات آٹھ گُنے زیادہ ہو۔ اور اتنی بڑی فیلڈ صِرف بائیس آدمیوں کے کھیلنے کے لئے کافی ہوتی ہے تم سمجھ سکتے ہو کہ اگر صرف بائیس آدمیوں کے کھیلنے کے لئے اتنی بڑی فیلڈ کی ضرورت ہوسکتی ہے تو شہروں اور گاؤں کے لئے کتنی فیلڈوں کی ضرورت ہوسکتی ہے مثلاً پھیرو چیچی میں چار پانچ سَو مرد ہیں اگر سب کرکٹ کھیلیں تو اس کے لئے ۲۲، ۲۳ فیلڈوں کی ضرورت ہوگی بھلا اتنی زمین وہ کہاں سے لا سکتے ہیں یہ تو صرف پھیرو چیچی کا حال ہے جو ایک گاؤں ہے۔ لاہور کی پانچ لاکھ آبادی ہے جس میں سے اڑھائی لاکھ مرد ہیں اور گو اَب عورتیں بھی کھیل میں شامل ہوتی ہیں لیکن اگر مردوں کے لئے ہی فیلڈیں ہوں تو ساٹھ ہزار ایکٹر زمین کی ضرورت ہوگی تب کہیں صرف لاہور والے کرکٹ کھیل سکتے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی کھیلیں ہیں اور کیا دنیا کا کوئی معقول انسان ان کھیلوں کو ہر جگہ رائج کرسکتا ہے۔ یہ تو یورپ والوں کی کھیلیں ہیں جہاں امیر اور غریب کو الگ الگ رکھا جاتا ہے ان میں ایسے ایسے لوگ ہیں جو ڈیڑھ دو لاکھ سے پچاس ساٹھ لاکھ روپیہ سالانہ کی آمد رکھتے ہیں مگر یہاں سارے ضلع گورداسپور کے بڑے بڑے زمینداروں کی آمد کو اکٹھا کیا جائے تو وہ وہاں کے ایک شخص کی آمد کے دسویں حصہ کے برابر بھی نہیں بنیں گی۔ پھر وہاں جو تاجر ہیں بیس بیس، تیس تیس، چالیس چالیس

بلکہ پچاس پچاس کروڑ روپیہ سرمایہ رکھتے ہیں اور جو درمیانی طبقہ کہلاتا ہے وہ بھی ایسا ہوتا ہے جس کے ہر فرد کی دو تین ہزار روپیہ آمد ہوتی ہے اور غریب مزدور بھی وہاں سَو سے تین سَو روپیہ تک کما تا ہے مگر تمہارے گاؤں کے مزدور کو تو صرف تین چار روپیہ مہینہ پڑتا ہے پس یہ کھیلیں تمہارے لئے موزوں نہیں یہ تو یورپ کے مالدار لوگوں نے اپنے بچوں کے لئے بنائی تھیں تا کہ وہ دوسرے لوگوں سے ملیں نہیں کہتے ہیں اس سے کیریکٹر بنتا ہے اور امیرانہ اخلاق پیدا ہوتے ہیں لیکن ہمارے لوگوں نے بندر کی طرح اِن کی نقل کرنا شروع کر دی اور اس بات کو سمجھا ہی نہیں کہ یہ کھیلیں امیر اور غریب میں تفرقہ ڈالنے والی ہیں اور طالب علم کا دماغ بالکل خراب کر دیتی اور اسے بِالکل پاگل بنا دیتی ہیں۔ وہی طالب علم جو گاؤں کا رہنے والا ہوتا ہے کالج میں تعلیم حاصل کر کے اپنے آپ کو کوئی الگ مخلوق سمجھنے لگ جاتا ہے اور جب اپنے گاؤں میں واپس جاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ لڑکے گُلی ڈنڈا کھیل رہے ہیں یا اپنے پڑدادا کے زمانے کا سُوت لے کر اُس کا کھدّو[۶] انہوں نے بنایا ہوا ہے اور درخت کی لکڑی کاٹ کر اُس کے ساتھ کھیل رہے ہیں تو وہ ناک بھوں چڑھا لیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ مَیں کس وحشی مُلک میں آ گیا ہوں حالانکہ سچی بات تو یہ ہے کہ جو کھیلیں گاؤں کے لوگ کھیلتے ہیں وہی اصلی کھیلیں ہیں اور ان سے بڑھ کر کوئی کھیل نہیں۔ ابھی میں پچھلے دنوں ایک دن سیر کے لئے دریا پر گیا تو ایک گاؤں سے گزرتے ہوئے مَیں نے دیکھا کہ دو لڑکوں کے ہاتھ میں درخت کی چھڑیاں ہیں اور وہ ایک کھدّو کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ وہ کھیلتے کھیلتے روڑیوں پر بھی چلے جاتے تھے، کھیتوں میں بھی گُھس جاتے تھے وٹوں میں بھی دَوڑتے پھرتے تھے اور ایک اِدھر سے اس کھدّو کو سوٹی مارتا تھا اور ایک اُدھر سے۔ میں نے دیکھا تو کہا یہ وہ کھیل ہے جس میں سارا پھیرو چیچی شامل ہوسکتا ہے، جس میں سارا لاہور شامل ہوسکتا ہے اور جس کے لئے کسی خاص فیلڈ کی ضرورت نہیں جہاں زمین نظر آئی کھدّو پھینکا اور کھیلنا شروع کر دیا یہ کھیلیں ہیں جو ہمارے ملک کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور یہی کھیلیں خدام الاحمدیہ کو کھیلنی چاہئیں۔ میں جانتا ہوں کہ ٹوپیوں والے اِس پر اعتراض کرتے ہیں لیکن اِس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شہروں میں رہ کر ہندوستانی نہیں رہے۔ ان کی شکلیں بے شک ہندوستانیوں کی ہیں، ان کا رنگ بے شک ہندوستانیوں کا ہے، ان کی زبان بے شک ہندوستانیوں کی ہے، ان کے ماں باپ بے شک ہندوستانی ہیں اور ان کی بیویاں بے شک ہندوستانی ہیں مگر ان کے اندر انگریزی خون کی ایسی پچکاری بھر دی گئی ہے کہ اب وہ ہندوستانیوں کی نہیں بلکہ یوروپین لوگوں کی نقل کرنا باعثِ فخر سمجھتے

ہیں۔ وہ آج بے شک اس پر فخر کر لیں مگر کل جب قوم میں بیداری پیدا ہوگی اُس وقت انہیں نظر آئے گا کہ انہوں نے اپنی زندگیاں تباہ کر دی ہیں۔ آخر تم کرکٹ کھیل کر کس طرح زمینداروں کی راہنمائی کر سکتے ہو۔ ہاں کھدّو کھیل کر تم اِن میں ضرور رہ سکتے ہو۔ پس کالج کا لڑکا جس کی تعلیم کی غرض ہی یہی ہے کہ وہ زمینداروں کو فائدہ پہنچائے وہ اپنی زندگی کو تباہ کرنے والا ہے جب تک وہ گاؤں میں جا کر زمینداروں کی سی زندگی بسر کرنے کی عادت نہیں ڈالتا، جب تک وہ سرسوں کا ساگ اور جوار کی روٹی نہیں کھاتا، جب تک وہ کھدّو کھونڈی سے کھیلنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اُس وقت تک وہ اپنی تعلیم سے زمینداروں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ پاگل خانے کا کوئی آدمی اچھے کپڑے پہن کر آ گیا ہے۔ دیکھو حدیثوں میں آتا ہے صحابہؓ کہتے ہیں اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ نَتَکَلَّمَ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ [کے] ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ہم لوگوں کی عقل کے مطابق گفتگو کیا کریں۔ پس لوگوں کی عقلوں کے مطابق اپنے آپ کو بناؤ اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب تم سادہ خوراک کھاؤ، سادہ لباس پہنو، سادہ کھیل کھیلو مثلاً میر وڈبہ کھیلو یا کھدّو کھونڈی کھیلو، انگریزی کھیلیں فٹ بال اور کرکٹ وغیرہ ہندوستانیوں کے لئے موزوں نہیں یہ انگریز امراء نے اپنے بچوں کے لئے بنائی تھیں اور امیر اور غریب میں فرق کرنے والی ہیں ان کھیلوں کا یہاں کھیلنا اپنے مُلک کے ساتھ دشمنی ہے بلکہ انسانیت کے ساتھ بھی دشمنی ہے۔ ہماری زندگی تو ایسی سادہ ہونی چاہئے کہ گاؤں والے بغیر شرم کے ہمارے پاس آ سکیں اور ہم بغیر شرم کے ان کے پاس جا سکیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آئندہ جو کھیلیں ہونگی وہ اِس قسم کی ہونگی اور ان میں میری ہدایات کو ملحوظ رکھا جائے گا میں چاہتا ہوں کہ تم وہ کھیلیں کھیلو جو تمہاری آئندہ زندگی میں کام آئیں۔ مثلاً گھوڑے کی سواری نہایت مفید چیز ہے۔ میں بچپن میں جب گھوڑے کی سواری سیکھنے لگا تو حضرت خلیفہ اول نے (آپ اُس وقت تک خلیفہ نہیں ہوئے تھے یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی بات ہے) مجھے فرمایا میاں! یوں سواری نہیں آتی گھوڑے کی سواری سیکھنے کا بہترین طریق یہ ہے کہ انسان پہلے گدھے پر بغیر پالان کے چڑھے جب گدھے کی سواری آ جائے تو پھر گھوڑے کی سواری خود بخود آ جاتی ہے اس کے بعد فرمانے لگے ہم نے بھی اسی طرح سواری سیکھی تھی ہم گدھے پر سوار ہوتے تھے تو وہ دولتیاں مارتا تھا اور اُچھلتا کُودتا تھا ہم بھی خوب اُچھلتے اور اُسے مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کی کوشش کرتے اس طرح لاتیں موڑ توڑ کر بیٹھنے کی عادت ہوگئی کہ گدھا لاکھ اُچھلتا کُودتا ہم

وہیں بیٹھے رہتے۔ تو گھوڑے کی سواری سے پہلے گدھے کی سواری بھی آنی چاہئے اور زمینداروں کے لئے اِس میں کوئی دقّت نہیں چھوٹے چھوٹے زمیندار لڑکے کھڑے ہوتے ہیں کہ پاس سے گدھا گزرتا ہے اِس پر فوراً ایک اِدھر سے پلاکی مار کر اُس پر بیٹھ جاتا ہے اور دوسرا اُدھر سے پلاکی مار کر اُس پر چڑھ جاتا ہے اور تھوڑی دیر سواری کرنے کے بعد ہنستے ہوئے اُتر جاتے ہیں مگر شہر والوں کو یہ نعمتیں کہاں میسر ہیں وہ تو جب تک کاٹھی نہ ہو اور سدھایا ہوا گھوڑا نہ ہو اُس پر سوار ہی نہیں ہو سکتے۔

بہرحال گھوڑے اور گدھے کی سواری بھی نہایت مفید چیزیں ہیں اسی طرح اور دیسی کھیلیں ہیں ان سے تمہارا جسم مضبوط ہو گا۔ نوکری تمہیں آسانی سے مل سکے گی گھروں کی حفاظت کر سکو گے، کوئی ڈوب رہا ہو گا تو اُس کو نکال لو گے، آگ لگی ہوئی ہو گی تو اُس کو بُجھا سکو گے، غرض یہ کھیل کی کھیل ہے اور کام کا کام، کہتے ہیں ''ایک پنتھ دو کاج'' اِس سے بھی دونوں فائدے حاصل ہو سکتے ہیں کھیلوں کا فائدہ بھی اور کاموں کا فائدہ بھی۔ میں امید کرتا ہوں کہ باہر سے جو دوست آئے ہوئے ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ صرف کھیلیں نہیں بلکہ ان میں کئی حکمتیں ہیں پس کھیلو اور خوب کھیلو اور مت سمجھو کہ یہ دنیا ہے۔ جو باپ اپنے بچہ کو کھیلنے نہیں دیتا وہ یاد رکھے کہ جس بچے نے کھیل میں اپنے ہاتھ مضبوط نہ کئے وہ کھیتی باڑی بھی نہیں کر سکے گا وہ ہل بھی نہیں چلا سکے گا اور وہ دنیا کے اور کاموں میں بھی حصہ نہیں لے سکے گا۔ پس تم اپنے بچوں کو کھیلنے دو بلکہ اگر تمہارا کوئی بچہ نہیں کھیلتا تو اُسے مارو کہ تُو کھیلتا کیوں نہیں، کُودنا پھاندنا، دَوڑیں لگانا، تیرنا، گھوڑے اور گدھے کی سواری کرنا یہ بڑے مفید کام ہیں تم ان چیزوں کو سیکھو اور سکھاؤ اور انہیں دنیا نہ سمجھو بلکہ دین کا حصہ سمجھو۔ (الفضل ۲، ۴، ۶، ۷۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء)

---

۱ کانس: انگریزی لفظ ''کارنس'' کا بگڑا ہوا۔ کنگی۔ چھجا

۲

۳ سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۸۵۔ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ (مفہوماً)

۴ سیرت ابن ھشام جلد ۱ صفحہ ۹۸۔۹۹۔ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۵ ۶ رکھدّو: گیند

۷ کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۲ مطبوعہ حلب ۱۹۷۱ء میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ اُمِرْنَا اَنْ نُکَلِّمَ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِم